اقبال اور اکیسویں صدی

ڈاکٹر انور سدید

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

اکیسویں صدی کا ذکر کرنے سے پہلے میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ شب و روز' ماہ و سال اور صدیاں سب رواں وقت کو ماپنے کے پیمانے ہیں یہ ماضی کو حال سے علیحدہ کرنے اور زمانی ادوار مقرر کرنے کے انسانی عمل ہیں—— زندگی کے مسلسل عمل میں اقبال نے ماہ و سال کو پیمانہ بنانے کی تلقین نہیں کی۔ ان کا ارشاد ہے۔

تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں' پیہم دواں' ہر دم رواں ہے زندگی!

ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

ہر اک شے سے پیدا رم زندگی | کہ ہمہ دم رواں ہے یم زندگی
اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود | کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موج دود!

انہوں نے سلسلہ روز و شب کو نقش گر حادثات قرار دیا—— اسے اصل حیات و ممات شمار کیا۔

ان چند حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال کے نزدیک وقت کو سالوں اور صدیوں میں تقسیم کرنا شاید درست عمل نہیں تھا—— ان کے نزدیک اہم چیز تو "زندگی" تھی جو ساز ازل کی فغاں سنتی ہے اور اپنے زیر و بم ممکنات ظاہر کرتی ہے' تاہم دلچسپ بات یہ ہے کہ انہوں نے زندگی کے عمل میں انسان کو اور زمانے کو پوری اہمیت دی—— انسانی زندگی کو—— "ازل سے ابد تک—— دم یک نفس" قرار دیا اور زمانے کے متعلق ارشاد فرمایا کہ

زمانہ کہ زنجیر ایام ہے | دموں کے الٹ پھیر کا نام ہے

مری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ!

بادی النظر میں "تسبیح روز و شب" کے اس شمار ہی سے ماہ و سال بنتے ہیں اور ماہ و سال کی ایک معین ترتیب ہی سے صدیاں ظہور میں آتی ہیں جو انسانی زندگیوں اور ان کی عمروں کے پیمانے ہیں—— یہ تصور زمان ہی ہمیں احساس دلاتا ہے کہ انسانی شعور نے اسلامی اعتبار سے

پندرھویں صدی ہجری میں قدم رکھ دیا ہے' سنہ عیسوی کے اعتبار سے اب بیسویں صدی ختم ہونے والی ہے۔ اس طرح ہم اکیسویں صدی کی دہلیز پر کھڑے ہیں——

مادی دنیا اور حیات انسانی کی ایک صدی اتنا بڑا زمانہ ہے کہ ہم سو برس کے اس دور میں عمل میں آنے والے واقعات' حادثات' ایجادات اور علوم و فنون ایک تشفی آمیز نظر ڈال سکتے ہیں' گزرے ہوئے ادوار سے تجربہ حاصل کر سکتے ہیں اور اس تجربے کو نئے ادوار کی تعمیر و تشکیل میں استعمال میں لا سکتے ہیں۔ یہ بات بھی حیرت انگیز ہے کہ وقت کا یہ پیمانہ اسلامی اعتبار سے صرف ۱۵ سو برس اور عیسوی اعتبار سے دو ہزار برس قبل استعمال ہونا شروع ہوا اور ہمیں قریباً دو ہزار برس قبل مسیح کے بعض اہم واقعات عالم کی شہادت بھی ملتی ہے—— لیکن اس سے قبل کی انسانی زندگی پر گھٹا ٹوپ اندھیرا طاری ہے اور اس دور کو قیاسی سطح پر بازیافت کرنے کی سعی ہو رہی ہے۔

یہاں یہ گزارش شاید دلچسپ محسوس ہو کہ صدیوں کو پیمانہ امروز فردا سمجھ کر جب سابقہ ادوار کے علمی' ادبی' سماجی' سائنسی اور مذہبی کارناموں کا تجزیہ کیا گیا تو برٹرینڈرسل نے چھٹی صدی قبل مسیح کو ایک عہد آفریں دور قرار دیا۔ اس دور میں دنیا کے مختلف گوشوں میں خلاق شخصیتیں پیدا ہوئیں' طبعی علوم کے ساتھ ساتھ فکری علوم نے بھی فروغ پایا۔ یہ گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس زمانے کا انسان تاریکی کے پس منظر سے نکل کر روشنی کے پیش منظر میں آچکا تھا۔ اسی دور میں ہندوستان میں مہاتما بدھ اور مہاویر' چین میں کنفوشس' ایران میں زرتشت' فلسطین میں ایلیا اور ارمیاہ یونان میں ہومر' ارشمیدس اور افلاطون نمودار ہوئے۔ اہم بات یہ ہے کہ دانش کے یہ جزیرے اپنے درمیان بہت لمبے زمینی فاصلے رکھتے تھے۔ تاہم ذرائع نقل و حرکت کی ترقی نے دنیا کے ممالک کو ایک دوسرے کے قریب کرنا شروع کر دیا تھا چنانچہ سامان تجارت کے ساتھ ساتھ خیالات کی ترسیل بھی ممکن ہو گئی۔ مشرق اور مغرب میں خیالات کے اس تیز رفتار تبادلے پر ڈاکٹر تارا چند نے حیرت کا اظہار کیا ہے' اور لکھا ہے:

"چھٹی صدی قبل مسیح تاریخ عالم کے حیرت ناک ادوار میں شمار ہوتی ہے' اس صدی میں ایک ملک سے دوسرے ملک میں خیالات کی ترسیل کا سلسلہ براہ راست جاری تھا اور چین سے لے کر مصر' روم اور یونان تک اثرات پہنچتے تھے۔ ان خیالات کا مرکز تمدن کا گہوارا 'بابل' تھا۔"

چھٹی صدی قبل مسیح سے ولادت مسیح تک کا زمانہ تخلیقی اعتبار سے بے حد فعال ہے۔ اس

دور میں افکار و خیالات کے تصادم کی بدولت مختلف اوقات میں مختلف تحریکیں پیدا ہوئیں' اس زمانے میں جو خلاق لوگ پیدا ہوئے' درحقیت وہی ان تحریکوں کی قوت کا اساسی سرچشمہ ثابت ہوئے۔ جو نظریات ابھرے' ان کا علمی فیضان اب تک جاری ہے۔ چنانچہ نطشے' شوپنہار اور کروچے کے نظریات میں فیثا غورث اور افلاطون کی بازگشت صاف سنائی دیتی ہے۔ ہیگل اور مارکس کی نظریاتی اساس طالیس' ڈیماقرائطس اور اپیقوریس کے نظریات میں موجود ہے۔ کانٹ کا فلسفہ بڑی حد تک ارسطو کے فلسفے کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔ دوسری طرف جب سائنس کی دریافتوں نے زندگی کا ارتقائی رخ نئی سمت میں موڑ دیا تو برٹرینڈ رسل نے تسلیم کیا کہ

"جدید سائنس کی ہر فتح ارسطو کے کسی نہ کسی نظریے کی شکست سے وابستہ ہے۔"

اور ایمرسن نے شہادت دی کہ

"مکالمات افلاطون ایک ایسی کتاب ہے جس میں دنیا کی ہر کتاب موجود ہے۔"

رومتہ الکبریٰ کے زوال کے بعد' اگرچہ دنیا روشنی سے کلیتہً" محروم نہیں ہوئی' عیسائیت نے انسان کی توجہ زمین کی بادشاہت سے ہٹا کر آسمانی بادشاہت کی طرف مبذول کرائی' جو عظیم تر ہے' شفیع اور نجات دہندہ ہے' لیکن چھ سو برس کا یہ مسیحی دور تخلیقی اعتبار سے کچھ زیادہ زرخیز نظر نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ مورخین نے نشاۃ ثانیہ تک کی صدیوں کو ازمنہ تاریک قرار دیا ہے۔ اس دور میں کلیسا نے یورپ کو عیسائیت کی مضبوط تنظیم میں جکڑ لیا' فرد کی انفرادیت کو کچل دیا۔ یوں زندگی ایک محدود خول میں سما گئی اور عیسائیت کے اعتقادات نے اس کا بیرونی چھلکا جامد اور سخت تر کردیا چنانچہ اس یکسانیت سے مغرب کی زوال آمادہ فضا پیدا ہوئی جو احیاء العلوم کی تحریک تک پھیلی ہوئی نظر آتی ہے لیکن مشرق کی دنیا کی کیفیت الگ تھی۔ جس وقت ازمنہ وسطیٰ کے اندھیرے عیسائیت کی روشنی کو چاٹ رہے تھے تو مشرق میں روشنی کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ ہیگل نے اسے مشرق کا انقلاب کہا اور تسلیم کیا کہ

"اس انقلاب نے حقیقت واحدہ کو انسان کے مطلق انہماک اور توجہ کا مرکز بنایا اور بالآخر اسے آزادی کامل کا احساس بخشا۔"

برٹرینڈ رسل لکھتا ہے کہ

"دور وسطیٰ کو تاریک عہد صرف اس لیے کہا جاتا ہے کہ ہم نے یورپ پر ناروا طور پر توجہ رموز رکھی' حالانکہ اس زمانے میں ہندوستان سے اسپین تک اسلام کی درخشاں تہذیب نے فروغ پایا' چنانچہ اس وقت عیسائیت نے جو کچھ کھویا تھا' وہ درحقیقت

تہذیب کا زیاں نہیں تھا بلکہ اس کے برعکس تھا۔"

وہ روشنی جو پیغمبرؐ اسلام کی تعلیمات اور عمل سے پیدا ہوئی تھی' ہجرت نبویؐ کے بعد دنیا کے ہر گوشے کی طرف پیش قدمی کرنے لگی۔ اس نے قریباً آٹھ سو برس تک نہ صرف عوام الناس کو متاثر کیا بلکہ معاشرے کو حرکت و عمل کی قوت بھی عطا کی ـــــ اسلامی تحریک میں ایک داخلی ارتقائی قوت موجود تھی۔ اس نے انسان کو مادی و روحانی تسکین عطا کی اور آدمی کو انسان کا مقام عطا کیا۔ یہودیوں نے تو خدا کو ذاتی ملکیت بنا لیا تھا جبکہ اسلام کی رو سے خدا رب العالمین تھا ہادی اسلام پیغمبر آخر الزمانؐ تو تھے ہی' انسان بھی تھے۔ مساوات انسانی کا یہ تصور ہمہ گیر تھا جو بعثت نبوی سے قبل عملی طور پر ناپید رہا تھا اور اب روز افزوں فروغ پا رہا تھا' چنانچہ ہیگل نے کہا کہ

"جن لوگوں نے اسلام قبول کیا' انہیں دوسرے مسلمانوں کے برابر حقوق مل گئے۔"

علمی اور فکری سطح پر یونانی فلسفہ و نظر کی نئی توضیح کی گئی۔ یونانی کتب فلسفہ کے تراجم نے اسلامی فکر کے سمندر میں تلاطم بپا کر دیا۔ تاریخ کے اس نقطے پر اشاعرہ کی تحریک ابھری جس کے نقوش نے ڈیڑھ سو سال تک اذہان پر حکمرانی کی تا آنکہ امام غزالیؒ نے لوگوں کو انوار کے اس خزینے کی طرف متوجہ کرایا جو ان کے داخل میں موجود اور ان کے سینے میں مستور تھا۔ امام غزالی کی عطا یہ ہے کہ انہوں نے اعتقادات کو متوازن کرنے کی کوشش کی اور عقل و وجدان کے درمیان ایک واضح حد فاصل قائم کر دی۔

یونانی فکر و فلسفہ کا عقلی زاویہ ابن باجہ' ابن طفیل اور ابن رشد نے قبول کیا۔ اس وقت مغربی اقوام تاریکی کے خواب گراں سے جاگ رہی تھیں انہوں نے ابن رشد سے روشنی مستعار لی اور اپنی قندیلوں کو روشن کر لیا۔ فلپ حتی نے لکھا ہے کہ

"دور وسطیٰ کے مغربی متکلمین اور اہل قلم کے ذہنوں میں جتنا ہیجان ابن رشد نے پیدا کیا ہے' اور کسی نے نہیں کیا۔"

معاشرے کو قریباً آٹھ سو سال تک حرکت و عمل کی قوت عطا کرنے کے بعد اسلامی تحریک پر تھکن کے آثار ظاہر ہونے لگے' چنانچہ سولہویں صدی سے انیسویں صدی عیسوی تک اسلامی تہذیب' تمدن' ثقافت اور فنون لطیفہ پر ایک خواب گراں طاری ہے اور کسی بڑی تحریک کے دور دور تک نشانات نظر نہیں آتے۔ جمود کے اس دور میں اگرچہ اختلافات فکر و نظر کی معمولی لہریں ابھریں اور تموج بھی پیدا ہوا لیکن کوئی ایسی تحریک نمایاں نہ ہو سکی جو پورے اسلامی معاشرے کو

متاثر کرتی۔ برصغیر ہند میں یہ دور مختلف خاندانوں کی بادشاہت کا دور ہے اور اس میں اسلام کو فروغ دینے کے بجائے تخت سلطنت پر اپنی سیاسی قوت مضبوط رکھنے کا رجحان زیادہ نمایاں ہے۔ مسلمان بادشاہ آپس میں صف آراء ہیں۔ اس آویزش کا آخری باب اٹھارہویں صدی کے وسط میں ختم ہوا جب بہادر شاہ ظفر پابجولاں رنگون سدھار گئے اور ہندوستان پر انگریزوں کی عملداری مکمل ہوگئی' اور قلعہ معلی پر انگریزوں کا جھنڈا لہرانے لگا۔۔۔۔

اقبال کی پیدائش اٹھارہویں صدی کے ربع آخر میں ہوئی۔ اس وقت سرسید احمد خاں "اسباب بغاوت ہند" لکھ کر مسلمانوں کی مکمل وکالت کا فریضہ سرانجام دے چکے تھے اور اب راجہ رام موہن رائے اجتہادی روش کو قبول کر کے مسلمانوں کو علوم نو سیکھنے پر آمادہ کر رہے تھے اور علی گڑھ تحریک برپا کرا چکے تھے جس کی ایک جہت دنیا کی طرف تھی اور دوسری مذہب کی ان کی اجتہاد شدہ صورت کی طرف۔ تاریخ کے اس اہم نقطے پر اقبال کی ولادت شاید اہم واقعہ نہ مانا جائے' تاہم اقبال اپنی پہلی نظم "ہمالہ" کی "مخزن" میں اشاعت سے پہلے انیسویں صدی کا آخری حصہ دیکھ چکے تھے۔ اقبال کی زندگی کے آخری اڑتیس برس بیسویں صدی میں بسر ہوئے۔ اگرچہ ان کا ارشاد ہے کہ

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں انہوں نے مشرق و مغرب کے علوم سے کماحقہ' آگاہی حاصل کی' اپنے عہد سے قبل گزری ہوئی تمام صدیوں کے زعمائے دانش سے تعلق خاطر پیدا کیا' ان کی تصنیفات کے مطالعے سے اپنے دیدہ و دل کو منور کیا اور اس روشنی سے وہ فلسفہ مرتب کیا جو نشان راہ بھی تھا اور مقام منزل بھی ہے' چنانچہ اقبال شاید اردو کے واحد شاعر ہیں جنہیں ان کی زندگی ہی میں شاعر اور مفکر تسلیم کیا گیا۔ انہیں خودی کا شناسا اور بے خودی کا رمز شناس کہا گیا' وہ صاحب وجدان بھی تھے اور صاحب عرفان بھی' حکیم بھی تھے اور کلیم بھی۔ انہوں نے شاعری میں حیات و کائنات کے نئے نظریات پیش کیے اور خطبات میں الہیات کی تجدید و توضیح کی۔

اقبال کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے مشرق اور مغرب کے علماء سے یکساں استفادہ کیا' لیکن نتائج اپنی اسلامی فکر کے مطابق نکالے۔۔۔۔ ان فکری موضوعات میں انسان کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ انسان ہی کے حوالے سے انہوں نے فلسفہ خودی پیش کیا اور انسان کامل کا تصور دیا۔ مسئلہ جبر و قدر' تصور ذات باری' نظریہ حیات بعد الموت جیسے مشکل موضوعات

کی نئی توضیح کی اور اس عمل میں نہ صرف قاری کے فکر کو برانگیختہ کیا بلکہ اسے گزشتہ میں صدیوں کی تصنیفات اور مصنفین پر نظر ڈالنے کی ترغیب بھی دی ـــــ یہاں اقبال کے تصورات پر بحث کا موقع نہیں لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ۱۹۳۸ء میں اقبال کی وفات کے بعد ہم نے اپنی تمام زندگی دور اقبال میں گزاری ہے۔ اقبال اس صدی کا وہ منارۂ نور ہے جس کی روشنی ہمیں نہ صرف دور سے نظر آتی ہے بلکہ یہ منزل کی طرف راہنمائی بھی کرتی ہے۔ اردو ادب کے حوالے سے اٹھارھویں صدی میر تقی میر کی صدی تھی ـــــ انیسویں صدی کو ہم بلاخوف تردید غالب کی صدی کہہ سکتے ہیں ـــــ بیسویں صدی بلاشبہ اقبال کی صدی ہے ـــــ شاعری ہی کے اعتبار سے نہیں، فکر و نظر کے اعتبار سے بھی اور اجتہادی تصورات کے لحاظ سے بھی۔ اہم بات یہ کہ اقبال کے تصورات کسی ایک زمانے کے ساتھ منسوب نہیں کیے جاسکتے، اور نہ انہیں کسی مخصوص دائرے میں محدود کیا جاسکتا ہے ـــــ بلاشبہ ان کے فکرو نظر کا سرچشمہ اسلام اور نبی اکرمؐ کی ذات عالیہ ہے۔ وہ حب وطن سے سرشار تھے اور ان کی ایک بڑی عطا یہ ہے کہ انہوں نے برصغیر میں مسلمانوں کے لیے ایک نئے وطن کا تصور دیا اور یہ تصور بعد میں، جب وہ دنیا سے رخصت ہوگئے، عمل کی صورت بھی اختیار کرگیا ـــــ لیکن اقبال فکر و نظر کے اعتبار سے عالمی سطح کے شاعر ہیں اور اعلیٰ پائے کے مفکر، یہی وجہ ہے کہ گزشتہ ۶۳ برسوں میں ان کے نظریات اور تصورات پر سب سے زیادہ لکھا گیا اور ان کی نئی نئی توضیحات سامنے آتی رہیں۔ وہ ایک زندہ شاعر کی حیثیت میں ہمارے درمیان موجود رہے اور ہمیں احساس دلاتے رہے کہ وہ انسان کی روحانی اور اخلاقی ترقی کے خواہاں ہیں۔ جمود کو توڑ کر تحرک و حرارت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ حضرت انسان کو تسخیر فطرت کے لیے علم و فن میں کمال حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ انہوں نے عشق کو بلند مقام عطا کیا لیکن خرد کی ضرورت کو بھی نظرانداز نہیں کیا۔ اپنے خطبات میں واضح کیا کہ مذہب اور سائنس میں کسی قسم کا تضاد نہیں ہے۔ انہوں نے کائنات کو ناتمام قرار دیا اور "صدائے کن فیکون" سننے کی تلقین کی جو ہنوز "دمادم" آ رہی ہے۔ یہ سب ایسے موضوعات ہیں جو ہر زمانے میں زندہ رہتے ہیں اور جن پر ہر صدی میں نئے زاویوں سے غور کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے آج ہم افلاطون، ارسطو، ابن سینا اور ابن رشد، ڈارون اور ڈیکارٹ، برٹرینڈرسل اور اشپنگلر کے تصورات پر غور کرتے اور اپنی راہ تلاش کرتے ہیں، اقبال بھی ایسے ہی مفکروں میں سے ہیں جو امروز و فردا کے پیمانے سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اور جن کے افکار کی خوشبو کا دائرہ لحہ بہ لحہ پھیلتا چلا جاتا ہے۔

بیسویں صدی کے ربع آخر میں انسان نے جو تاخت و تاراج، اضطراب اور بے سکونی دیکھی ہے، اس کی کوئی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی اور اب جبکہ ہم اکیسویں صدی کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں تو یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ سائنس کی نت نئی ایجادات نے زندگی کو موت کے دہانے پر لاکھڑا کیا ہے اور کسی جنونی کی زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ کائنات کے بیشتر حصے کو تباہ و برباد کرسکتا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ اس قدر تباہی کے بعد بھی اقبال کا کلام اس تباہ حال دنیا کو جوڑ سکتا ہے، اسے زندگی کی راہ پر ڈال سکتا ہے اور اس پر اسرار حیات کھول سکتا ہے——— اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ جس طرح اقبال نے بیسویں صدی میں انسان کی راہنمائی کی ہے، اسی طرح اکیسویں صدی بھی اپنا سفر علم اقبال کو تھام کر ہی کرے گی۔

***

اقبال اکادمی پاکستان، لاہور کی خصوصی پیش کش

کُلّیاتِ اقبال

اُردو

(خاص الخاص ایڈیشن)

- اغلاط سے پاک۔
- مضبوط اور پایدار جلد مع گولڈن ڈائی خوبصورت حاشیہ۔
- عمدہ اور معیاری کتابت۔
- درآمد شدہ اعلیٰ قسم کا کاغذ۔

قیمت: ۸۰۰ روپے

(ایک نسخے کی خریداری پر بھی ۴۰ فیصد شرح رعایت دی جائے گی۔)

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.